امام بخاریؒ

ملک غلام علی صاحب

پوری اُمت مسلمہ بجا طور پر امام محمد بن اسماعیل البخاریؒ کو "امام المحدثین" اور "امیر المومنین فی الحدیث" کے لقب سے ملقب کرکے انہیں خراج عقیدت پیش کرتی چلی آرہی ہے اور اہل سنت کے ہر مکتب فکر کے علماء و فضلا میں انہیں یکساں طور پر شہرتِ عام اور قبولِ دوام حاصل ہے - انہوں نے اپنی بیش بہا تصانیف بالخصوص "الجامع الصحیح" کے ذریعے سے سننِ نبویہ اور احادیثِ رسول کا جو مستند ترین ذخیرہ مرتب فرما کر ہمارے لیے چھوڑا ہے وہ قرآن مجید کے بعد دوسرا روشنی کا مینار ہے اور ہر مسلمان خواہ وہ کسی مسلکِ فقہی سے وابستہ و منتسب ہو یا نہ ہو، صحیح البخاری کو اصح الکتب بعد کتاب اللہ (اللہ کی کتاب کے بعد دوسری کتابوں میں صحیح ترین کتاب) تسلیم کرتا ہے - حافظ ابن حجرؒ شافعی فرماتے ہیں کہ "امام بخاری کے ہم عصروں کو چھوڑ کر فقط ان سے بعد میں آنے والے ائمہ نے جو تعریف و توصیف امام بخاری کی بیان کی ہے اگر اسے نقل کرنا شروع کیا جائے تو عمریں صرف ہو جائیں اور کاغذ کا ذخیرہ ختم ہو جائے" امام بخاریؒ کے متعلق یہ حقیقت معلوم و واضح ہے کہ انہیں مسلک حنفی سے بعض مسائل میں اختلاف تھا - اس کے باوجود امام بدر الدینؒ عینی حنفی نے جب صحیح بخاری کی شرح عمدۃ القاری لکھی تو اس کے آغاز میں امام بخاریؒ کو الحافظ، الحفیظ، الشہیر، الناقد، البصیر کے خطابات سے یاد کیا اور فرمایا کہ "تمام ثقہ علمائے اُمت ان کے حفظِ حدیث کی شہادت دیتے ہیں، جملہ شیوخِ حدیث ان کی فضیلت کے معترف ہیں اور نقد حدیث میں ان کی صحت کے معاملے میں دو علماء کا بھی باہمی اختلاف نہیں ہے۔"

تحصیلِ علم کا ذوق و شوق اللہ تعالیٰ کی حکمت و مشیئت کی یہ عجیب شان ہے کہ اس نے رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی قولی و عملی سنت اور اسوۂ حسنہ کی محافظت کے لیے ایک ایسے شخص کو منتخب کیا جو عجمی النسل تھا جس کے آباؤ اجداد آتش پرست تھے، بخارا (موجودہ ازبکستان) میں آباد تھے اور وہاں کے مسلمان گورنر کے ہاتھ پر اسلام لائے۔

امام بخاری شوال ۱۹۴ھ میں پیدا ہوئے (اور آپ کی وفات رمضان ۲۵۶ھ میں ہوئی)[1]۔ آپ چھوٹی عمر ہی میں یتیم ہو گئے مگر آپ کو علمِ دین کے حصول کی ایسی لگن تھی اور ذہانت و یادداشت کا ایسا خداداد ملکہ حاصل تھا کہ دس برس بلکہ اس سے بھی کم عمر میں آپ نے قرآن مجید حفظ کر لیا اور علمائے حدیث کے حلقہ ہائے درس میں باقاعدہ شمولیت شروع کر دی۔ سولہ برس کی عمر میں آپ نے اپنے دیار کے تمام علما کا ذخیرۂ حدیث اپنے پاس محفوظ کر لیا اور اسی سال اپنی والدہ ماجدہ اور بھائی کے ساتھ حج کا سفر اختیار کیا۔ حج کے بعد والدہ اور بھائی تو وطن واپس لوٹے لیکن آپ نے تنہا مکہ معظمہ میں ڈیرے ڈال دیے اور دو سال مکہ کے شیوخِ حدیث کی شاگردی میں بسر کیے۔ پھر آپ مدینہ منورہ پہنچے اور کم و بیش چھ سال وہاں کی درس گاہوں میں شریک رہے۔ پھر آپ نے بصرہ، کوفہ، بغداد، شام، مصر اور اپنے وطن خراسان کے بلاد سمرقند، تاشقند، مرو، بلخ، ہرات، نیشاپور وغیرہ کے پے در پے سفر کیے اور اس طرح پورے عالمِ اسلام کے قریب ایک ہزار سے زائد اساتذہ کے اندوختۂ علم اور سرمایۂ حدیث کو اپنے سینے اور سفینے میں سمیٹ لیا۔

صحیح البخاری کی تصنیف امام بخاری نے جس وقت اپنی شہرہ آفاق تصنیف صحیح البخاری کا آغاز کیا ہے اس وقت انہیں چھ لاکھ احادیث حفظ تھیں جن میں سے انہوں نے الجامع الصحیح کا انتخاب کیا۔ چھ لاکھ کی تعداد پر متعجب نہیں ہونا چاہیے کیونکہ حدیث کا شمار متن کے بجائے سند کے لحاظ سے ہوتا ہے اور ایک ہی متنِ حدیث اگر سو سندوں سے مروی ہو، تو یہ سو احادیث گنی جائیں گی۔ مزید برآں اس دور میں صحابۂ کرام کے اقوال و فتاویٰ پر بھی بالعموم حدیث کا اطلاق کر دیا جاتا تھا۔ بعض صحیح احادیث کو اختصار کے پیشِ نظر بھی امام بخاری نے اپنی کتاب میں درج نہیں کیا۔ اس وضاحت کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ بعض نام نہاد "محققین" کی جہالت و جسارت کا یہ حال ہے کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ احادیث کی اتنی بڑی تعداد میں سے صرف چند ہزار کے انتخاب کی وجہ یہ ہے کہ باقی

---

[1] امام بخاری کی بارہ صد سالہ (۱۲۰۰) یاد حال ہی میں دنیا بھر میں منائی گئی ہے۔ اگست ۱۹۷۴ء کے نصف آخر میں اس سلسلے کی ایک کانفرنس سمرقند میں بھی منعقد کی گئی جس کی روداد روسی سفارت خانے کے زیر اہتمام شائع ہونے والے رسالے "طلوع" کے شمارہ دسمبر ۱۹۷۴ء میں چھپی ہے۔ اس میں بیان کیا گیا ہے کہ خرتنگ (نزد سمرقند) جہاں "حضرت اسماعیل بخاریؒ" کا مقبرہ ہے، وہاں "ایک پرانی مسجد کو مکمل طور سے بحال کیا گیا"۔ واضح رہے کہ اس روداد میں ہر جگہ امام بخاری کا نام حضرت اسمٰعیل لکھا گیا ہے فافہم و تدبر۔ غ

سب احادیث امام بخاری کے نزدیک غلط اور موضوع تھیں۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، میں امام بخاری کے زیر عنوان یہودی گولڈ زیہر GOLDZIHER کے حوالے سے لکھا ہے:

HE BEGAN TO SIFT THE ENORMOUS MATERIAL AND ONLY A VERY SMALL PART OF IT HE DARED TO USE AS AUTHENTIC TEACHING OF THE PROPHET.

(امام بخاری نے حدیث کے بہت بڑے ذخیرے کی جانچ پڑتال شروع کی اور اس کے نہایت قلیل حصے کو وہ رسول کی مستند تعلیم قرار دینے کی ہمت کر سکے)۔ یہودی اور عیسائی مستشرقین ہمارے ذخیرۂ حدیث کی قدر و قیمت گھٹانے کی ناکام کوشش اِس وجہ سے بھی کرتے ہیں کہ خود اُن کے اپنے ناقدین کے اعتراف کی رو سے ان کی تاریخی روایات، تلموذ، حتّٰی کہ خود بائبل کے عہد قدیم و جدید دونوں حصوں کا حال یہ ہے کہ یہ انسانی تصانیف ہیں جن کے مصنفین کا ثقہ یا غیر ثقہ ہونا تو ایک طرف رہا، ان کے نام اور سوانح و کوائف بھی گمنامی کے گوشوں اور تاریکی کے غلافوں میں لپٹے ہوئے ہیں، اصل نوشتوں کے بجائے ان کا صرف ترجمہ بلکہ ترجمہ در ترجمہ اس وقت موجود ہے اور مترجمین بھی مجہول الاسم والحال ہیں۔ اس کے برعکس بحمد اللہ قرآن و حدیث کے قراء، حفاظ اور کاتبین عہد نبوی و عہد صحابہ سے لے کر اب تک، کسی انقطاع کے بغیر تسلسل و تواتر کے ساتھ انہیں ایک طبقے اور ایک نسل سے دوسری تک منتقل کرتے چلے آ رہے ہیں۔ روئے زمین کی کوئی دوسری قوم اپنے دینی ورثے کو اس یقین و اعتماد اور ایسے قوی ترین اسناد کے ساتھ پیش نہیں کر سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ دشمنانِ اسلام چاند پر خاک ڈالنے کی حماقت کرتے ہیں اور یہ نہیں سوچتے کہ چاند پر خاک ڈالو تو اپنے منہ پر پڑتی ہے۔

صحیح البخاری کی ترتیب و تدوین اور نظر ثانی پر امام صاحب کے پورے سولہ برس صرف ہوئے ہیں اور اس کا اکثر و بیشتر حصہ آپ نے بیت اللہ یا مسجد نبوی کے محراب و منبر کے مابین بیٹھ کر تحریر کیا ہے۔ ہر حدیث لکھنے سے پہلے غسل کرتے تھے اور دو رکعت نفل ادا کرتے تھے۔ حرمین شریفین کے متبرک و مقدس ماحول میں جو کتاب اس طہارت و تقوٰی اور خشوع و خضوع کے ساتھ سپرد قلم ہوئی ہو، اسے جس نے لکھا ہو گا، جو اسے پڑھے گا اور جو اس پر عمل کرے گا اس کی دنیا و آخرت سنور جاتے اور مستحق اجر ہونے میں کیا شبہہ ہو سکتا ہے؟

اس کتاب کے امتیازی اوصاف

امام بخاری کی یہ کتاب اپنی بعض دوسری صفات و خصوصیات میں بھی بالکل منفرد ہے۔ مثال کے طور پر اس کتاب کے جن راویوں پر جرح کی گئی ہے یا جن کے ثقہ و غیر ثقہ ہونے میں اختلاف ہے

ان کی تعداد قلیل اور دوسری کتابوں کے مجروح راویوں سے مقابلۃً بہت کم ہے۔ پھر امام صاحب کے ایسے راوی زیادہ تر وہ ہیں جو ان کے شیخ اور ہم عصر ہیں اور ان کی روایات بھی ایسی ہیں جنہیں امام صاحب نے ہر طرح سے خوب چھان پھٹک کر نقد و جرح کے بعد لیا ہے۔ اسی لیے امام بخاری کے متعلق محدثین کا عام مقولہ ہے کہ جس راوی کی جو حدیث امام بخاری نے اپنی الجامع الصحیح میں لے لی وہ راوی اس حدیث کے ساتھ پل پار کر گیا (جاز القنطرہ)۔

احادیثِ مُعَنعَنَہ امام بخاری نے اپنی صحیح میں نمایاں طور پر جس دوسری شرط کو ملحوظ رکھا ہے وہ یہ ہے کہ ایک راوی جب دوسرے راوی سے فقط عَنْ FROM کے صیغے سے روایت کرتا ہے تو دونوں میں اتصالِ روایت کو تسلیم کرنے کے لیے امام بخاری نے دونوں راویوں کی محض معاصرت کو کافی نہیں سمجھا بلکہ دونوں کی ملاقات کے ذکر و ثبوت کو بھی لازم قرار دیا ہے۔ یہ ایک ایسی کڑی شرط ہے جس کی امام صاحب نے نہایت شدت سے پابندی کی ہے حالانکہ دوسرے محدثین حتیٰ کہ امام مسلم نے بھی اسے ضروری نہیں قرار دیا ہے اور اس بات کو کافی سمجھا ہے کہ جب دونوں راوی عادل اور ثقہ ہیں اور ایک ہی زمانے میں حدیث کو اخذ و روایت کر رہے ہیں تو ایک نے دوسرے سے براہِ راست سماع کے بغیر حدیث کو بیان نہیں کیا ہوگا۔ بہر حال اس ایک ہی شرط سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ امام بخاری کے ہاں صحتِ حدیث کا معیار کتنا سخت اور بلند و بالا تھا۔ مولانا عبدالرحمٰن جامی نے کیا خوب فرمایا ہے:

سکّہ کز در یثرب و بطحا زدند ۔۔۔ نوبتِ آخر بہ بخارا زدند

(جو سکّہ ابتدا میں مدینہ و بطحاء کی ٹکسال میں ڈھالا گیا تھا۔ آخرِ کار وہی سکّہ بخارا میں جا کر تیار ہوا)

بخاری کے تراجم ابواب امام بخاری نے اپنی الجامع الصحیح میں ایک عمدہ التزام یہ بھی کیا ہے کہ بالعموم ہر چند احادیث کو ایک باب کے تحت یکجا کر کے ان پر جو عنوان (ترجمۃ الباب) مقرر کیا ہے اس میں ان فقہی احکام کی طرف اشارہ کر دیا ہے جو اس باب کی احادیث سے مستنبط کیے جا سکتے ہیں۔ ان عنوانات سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ امام بخاری ایک جلیل القدر محدث ہونے کے ساتھ ساتھ ایک عظیم المرتبہ فقیہہ بھی تھے۔ ان کے فقہی استدلال سے اختلاف تو کیا جا سکتا ہے مگر ان کے تفقّہ فی الدین سے انکار ممکن نہیں ہے۔ اسی لیے محدثین کے ہاں یہ مثل بھی مشہور ہے کہ فقہ البخاری فی تراجم ابوابہ (بخاری کی فقہ ان کے عنواناتِ ابواب میں موجود ہے)۔ پھر یہ عنوانات محض مصنّف کی فقہی آرا پر مشتمل نہیں بلکہ ان میں جا بجا وہ قرآنی آیات بھی درج ہیں جن کا اس موضوع یا مسئلے سے ربط و تعلق

ہے جو احادیثِ باب میں مذکور ہے۔ قرآن مجید کی آیات کو اس طرح کتبِ حدیث کے آغازِ ابواب میں لانے کا اسلوب بالعموم محدثین نے اختیار نہیں کیا۔ البتہ امام محی الدین نووی نے اپنے انتخاب ریاض الصالحین میں اس سے ملتا جلتا انداز اپنایا ہے اور ابواب کے عنوانات کے تحت حدیث لانے سے پہلے آیات قرآنی درج کی ہیں۔

معلّقات وفتاویٰ امام بخاری نے اپنے تراجم (عنوانات) میں مزید یہ خصوصیت بھی پیدا کی ہے کہ ان کے اندر سند کو حذف یا مختصر کر کے بعض ایسی احادیث یا ان کے ٹکڑوں کو درج کر دیا ہے جو دوسرے جامعینِ حدیث کے ہاں پوری سند اور تخریج کے ساتھ موجود ہیں مگر امام بخاری کی اعلیٰ شرائط کے مطابق ان کے نزدیک وہ اصطلاحاً "صحیح" کی تعریف سے خارج ہیں۔ سند اور مکمل متن کے بغیر اس طرح کی روایات کو "تعلیقات" کہا جاتا ہے۔ اسی طرح بخاری کے تراجمِ ابواب میں بعض صحابۂ کرام اور تابعین کے فتاویٰ بھی منقول ہیں۔ اس لحاظ سے یہ عنوانات اپنی جگہ پر بڑی جامعیت و افادیت کے حامل ہو گئے ہیں اور ان میں قرآن، حدیث، آثار صحابہ اور اجتہاداتِ فقہاء کے باہمی علاقہ وارتباط کا ایک خوبصورت اور دلآویز عکس پایا جاتا ہے۔

تقطیع وتفصیل صحیح بخاری میں احادیث کی تکرار و تقطیع اور اختصار و تفصیل کا طریقہ بھی اختیار کیا گیا ہے۔ ایک مضمون کی احادیث کا مختلف ابواب میں اعادہ کیا گیا ہے، لیکن کہیں ایک ٹکڑا ہے، کہیں دوسرا ٹکڑا ہے۔ ایک جگہ الفاظ مختصر ہیں، دوسری جگہ اس سے مختلف یا مفصل ہیں۔ یہ انداز عام قارئین کے لیے کچھ اشکال واعتراض کا موجب بن جاتا ہے لیکن امام صاحب نے اسے بلا وجہ یا غیر ضروری طور پر اختیار نہیں کیا بلکہ اس میں ان کے پیشِ نظر متعدد مقاصد و مصالح ہیں۔ مثلاً کہیں وہ سند میں صحابی یا دوسرے راوی کو بدل کر لاتے ہیں اگرچہ متن یکساں ہوتا ہے۔ اس سے یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ حدیث "غریب"[1] نہیں بلکہ "متواتر" یا "مشہور و مستفیض" ہے کبھی ایک ہی حدیث سے مختلف احکام و مسائل مستنبط ہوتے ہیں، اس لیے اس کا جو حصہ جس مسئلے سے متعلق ہوتا ہے اتنے حصے کو متعلقہ باب میں لاتے ہیں، اور دوسرا حصہ دوسری موزوں جگہ درج کرتے ہیں۔ کبھی روایت بالمعنی ہونے کی وجہ سے الفاظ مختلف ہو جاتے ہیں جو مختلف سندوں سے مروی ہوتے ہیں اس لیے امام بخاریؒ ہر سند کے الفاظ الگ الگ یا مختلف مقامات پر بیان کر دیتے ہیں تاکہ جن معانی پر ارشادِ نبوی مشتمل ہے اس کا کوئی گوشہ قلب و نظر سے اوجھل نہ ہونے پائے۔

---

[1] غریب اس حدیث کو کہتے ہیں جس کے کسی ایک مرحلے پر سند کا انحصار ایک راوی پر ہو گو وہ ثقہ ہو۔ یہ غرابت صحتِ حدیث کے منافی نہیں۔

بعض روایات ایسی ہوتی ہیں جو سند کے اعتبار سے بیک وقت متصل، مُرسَل اور موقوف ہوتی ہیں یعنی ایک سند میں تو روایت کی کڑیاں بالکل مکمل ہوتی ہیں مگر دوسری میں صحابی یا تابعی کا نام کسی وجہ سے حذف ہوتا ہے مگر راوی تمام ثقہ ہوتے ہیں۔ ایسی تمام صورتوں میں امام بخاریؒ متصل اور غیر متصل اسناد کی سب صورتیں بیان کرکے اس حقیقت کا تصوّر دلاتے ہیں کہ سند کی بعض صورتوں کا عدمِ اتصال حدیث کی صحت پر اثر انداز نہیں ہوسکتا بلکہ متصل سند کی موجودگی میں غیر متصل سند حدیث کی صحت و تقویت میں اضافے ہی کا موجب ہوگی۔ اسی طرح جو روایات عَنْ کے الفاظ سے آئی ہیں اگرچہ ان میں راویوں کی ملاقات امام صاحب کے نزدیک شرط لازم ہے (جیسا کہ پہلے بیان ہوا) اس کے باوجود وہ ایسی مُعَنْعَنْ روایات کو مختلف سند یا متن سے دوبارہ لاتے ہیں تاکہ صحت میں کوئی ادنیٰ شائبہ باقی نہ رہے۔

مسلکِ اہل سنّت

اس حقیقت کی طرف اوپر اشارہ کیا جاچکا ہے کہ امام بخاریؒ نے اپنی صحیح کے ذریعے سے بیک وقت حدیث و فقہ کی گراں قدر خدمت انجام دی ہے اور ابواب کے عنوانات کی ترتیب میں اپنے مسلک فقہی کو سمو دیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہاں یہ بھی واضح کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب نے اپنے تراجم ابواب تجویز کرتے وقت اسلامی علم کلام اور فلسفہ تشریع کو بھی نظر انداز نہیں فرمایا۔ اسلامی علم کلام اپنے صحیح معنوں میں اُن دلائل نقل و عقل پر مشتمل ہوتا ہے جن کی بنیاد کتاب و سنت یا اقوالِ صحابہ پر قائم اور استوار کی گئی ہو اور جن میں اسلام کے احکام و عقائد، ان کے اسرار و رموز اور مصالح و فوائد عام فہم اور دل نشین انداز میں پیش کیے گئے ہوں۔ ضمناً اس میں یہ چیز بھی شامل سمجھی گئی کہ یونانیوں، مجوسیوں، یہود و نصاریٰ اور دوسرے غیر مسلموں کے نظریات و فلسفہ جات، اور خود مسلمانوں کے باہمی سیاسی و اعتقادی اختلافات جس طرح مسلمانوں کی فکری اور تمدنی وحدت کو متاثر کر رہے تھے، اس کا سدِّباب کیا جائے اور مسلمانوں کے سوادِ اعظم یعنی اہل سنت کا مسلک اُجاگر کیا جائے۔ امام بخاریؒ کے عہد میں بلکہ اس سے ماقبل بھی خوارج، معتزلہ، جبریہ، قدریہ، مُرجِئہ وغیرہ کے فرقے وجود میں آچکے تھے جو عقیدہ و عمل کے معاملے میں کتاب و سنت کے مسلکِ اعتدال سے ہٹ کر افراط و تفریط میں مبتلا ہوگئے تھے۔ خوارج خود خاطی انسان ہونے کے باوجود بزعم خویش دوسروں کی بہت سی خطاؤں کو گناہِ کبیرہ قرار دے کر ان کے مرتکبین کو کافر اور واجب القتل قرار دیتے تھے۔ معتزلہ اپنے عقلی تَفَلسُف اور ریشنلزم کے بل پر کتاب و سنت کے متعدد نُصوص کی ناقابلِ جواز تاویل کرتے تھے جو تحریف کے ہم معنی تھی اور وہ بھی مرتکب کبیرہ کو کافر نہیں تو کفر و اسلام کے مابین معلّق سمجھتے تھے۔ مرجئہ کہتے تھے

کہ ایمان کے محض زبانی اقرار کے بعد کسی نیک عمل کی سرے سے حاجت ہی نہیں اور کوئی بڑی سے بڑی بدعملی حتٰی کہ شرک و بت پرستی بھی سرے سے موجبِ مواخذہ ہی نہیں۔ ایک طرف وہ نام نہاد قلبی معرفت کو لسانی اقرار کے بغیر ایمان کے مترادف کہتے تھے، دوسری طرف قلبی تصدیق کے بغیر محض زبانی دعوائے ایمان کو بھی معتبر قرار دیتے تھے۔ قدریہ انسان کو اپنے اعمال کا خالق و مختارِ مطلق سمجھتے تھے اور جبریہ اس کے برعکس انسان کو مجبورِ محض اور مشیتِ الٰہی کا آلۂ بے جان قرار دیتے تھے۔ ان گمراہانہ اور انتہا پسندانہ افکار و مواقف نے مسلم معاشرے میں سخت خلفشار اور تفرقہ برپا کر رکھا تھا۔ امام بخاری نے ان تمام نزاعات و اختلافات میں توسط کی راہ متعین کرنے اور اصحاب سلف اور اہل سنت کا موقف ممیز کرنے کے لیے اپنی صحیح میں متعدد ابواب قائم کیے اور ان کی مناسبت سے صحیح احادیث کو ان کے تحت درج کیا۔ صحیح بخاری کے متعدد ابواب (مثلاً کتاب الایمان، کتاب العلم، کتاب الاعتصام بالسنۃ، کتاب التوحید وغیرہ) کو بغور دیکھا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان سے مقصود اہلِ سنت کے مسلک کا اثبات اور اہلِ بدعت کے نظریات کا ابطال ہے۔ اس سے پہلے امام ابوحنیفہؒ نے اسی مقصد کے لیے اپنا کتابچہ الفقہ الاکبر مرتب کیا تھا جس کے نام ہی سے اس امر کا ثبوت ملتا ہے کہ اس زمانے میں اصولِ دین اور عقائد و کلام کے مباحث بھی فقہ کا ایک جز شمار ہوتے تھے۔ امام بخاریؒ نے ان گمراہ فرقوں کے ردّ میں مزید کتابیں بھی لکھی ہیں جن میں کتاب الرد علی المعطلۃ، کتاب خلقِ افعال العباد زیادہ مشہور ہیں۔

مسئلہ خلق قرآن

اس زمانے کا ایک معرکۃ الآرا مسئلہ خلقِ قرآن بھی تھا جو معتزلہ کا پیدا کردہ تھا جس کی بنا پر امام احمد بن حنبل کو ناقابلِ بیان تعذیب کا نشانہ بنایا گیا اور صدہا دوسرے علما و محدثین کو مصائب و شدائد کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ فتنہ ۲۱۸ھ سے ۲۲۸ھ تک عباسی خلیفہ مامون اور معتصم کی سرپرستی میں عروج پہ رہا اور جو شخص قرآن مجید کو مخلوق نہیں کہتا تھا اس کی جان سلامت نہ تھی۔ امام بخاری کے زمانے تک اس کے آثار باقی تھے۔ اس لیے آپ کو بھی ناگزیر طور پر اس کی زد میں آنا پڑا۔ جب آپ نیشاپور میں مقیم اور وہاں کے مشہور محدث محمد بن یحییٰ ذہلی کے شریک مجلس تھے تو امام بخاریؒ سے پوچھا گیا کہ خلقِ قرآن کے متعلق آپ کا عقیدہ کیا ہے۔ آپ نے فرمایا:

"قرآن اللہ کا کلام ہے اور غیر مخلوق ہے لیکن جو قرآنی الفاظ میری یا دوسروں کی زبان سے نکلتے ہیں وہ مخلوق ہیں کیونکہ یہ تکلم ہمارا فعل ہے اور ہمارے سب افعال مخلوق ہیں۔"

درحقیقت یہ ایک محتاط اور مبنی بر حق جواب تھا مگر یہ جواب امام ذہلی تک کو پسند نہ آیا اور پورا شہر امام بخاریؒ کا مخالف ہوگیا۔ صرف امام مسلم نے آپ کا ساتھ دیا اور تائید کی حالانکہ وہ خود امام ذہلی کے شاگرد تھے۔ انہوں نے امام ذہلی سے جس ذخیرۂ حدیث کی سماعت وکتابت کی تھی اُسے اُونٹوں پر لاد کر امام ذہلی کی خدمت میں روانہ کر دیا۔

آخری ابتلاء اسی طرح کی ایک آزمائش کا سامنا آپ کو اپنے وطن بخارا میں کرنا پڑا جو آخر کار آپ کے لیے جان لیوا ثابت ہوا۔ خالد ذہلی حاکم بخارا نے آپ سے یہ خواہش ظاہر کی کہ آپ اس کے لڑکوں کو گھر جا کر پڑھائیں یا کم از کم اپنے ہاں انہیں الگ وقت دیں۔ امام صاحب نے یہ مطالبہ منظور نہ کیا اور فرمایا کہ وہ دوسرے شاگردوں کی صف میں آکر بیٹھیں اور تحصیلِ علم کریں۔ چنانچہ آپ کے خلاف الزام عائد کیا گیا کہ آپ قرآن کو مخلوق کہتے ہیں اور آپ کو بخارا چھوڑ دینے کا حکم دیا گیا۔ بخارا سے آپ بیکند پہنچے مگر وہاں بھی قرار نہ مل سکا۔ عجیب بات ہے کہ اس دارِ فنا میں جن لوگوں کو چند روزہ اقتدار نصیب ہو جاتا ہے وہ انا ولاغیری کا ڈنکہ بجاتے اور خدا کے نیک بندوں کو ناحق ستاتے ہیں۔ آخرت میں تو جو ہوگا سو ہوگا لیکن آج دنیا میں بھی اہل دنیا دیکھ لیں اور عبرت حاصل کریں کہ امام بخاری کا نام تو چار دانگ عالم میں زبان زدِ خلائق ہے لیکن اُس عاملِ بخارا کو کوئی جانتا تک نہیں اور جن شائقینِ علم کو امام بخاریؒ کی ذات اور حالات سے دلچسپی ہے صرف وہی اس حاکم کا ذکر کرتے اور اس پر نفرین بھیجتے ہیں فاعتبروا یا اولی الابصار۔ آخر کار آپ ایک قریبی بستی خرتنگ کے لیے روانہ ہوئے جو سمرقند کے قریب تھی اور جہاں آپ کے ایک رشتہ دار رہتے تھے۔ وہاں آپ نے رات تہجد کی نماز پڑھی اور دُعا مانگی:

"اے میرے اللہ، تیری زمین اپنی فراخی کے باوجود میرے لیے تنگ ہوگئی ہے تو مجھے اپنے ہاں کشادگی عطا فرما۔"

یہ دُعا قبول ہوئی اور ۲۵۶ھ میں رمضان کے روزے پورے ہونے پر عید الفطر کی رات باسٹھ[۶۲] برس کی گردش لیل ونہار کے بعد آسمانِ علم کا یہ آفتاب اہلِ دنیا کی نگاہوں سے غروب ہوگیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ خطیب بغدادی اپنی تاریخ میں ایک عالم عبدالواحد بن آدم کا واقعہ لکھتے ہیں کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ صحابہ کرام کے ساتھ کسی کا انتظار فرما رہے ہیں۔ اُنہوں نے سلام کیا اور عرض کیا:۔ جناب کس کے منتظر ہیں؟ تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے محمد بن اسماعیل البخاریؒ

کا انتظار ہے۔" چند روز کے بعد امام بخاری کی وفات کی اطلاع ملی اور معلوم ہوا کہ امام صاحب کے انتقال اور اس خواب کا وقت اور تاریخ بالکل ایک ہی تھی۔

اللہ سے ہماری دعا ہے کہ وہ اس سرچشمۂ علومِ سنّت سے ہماری دنیا و عقبیٰ کو بھی سیراب فرمائے جسے امام بخاریؒ ہمارے لیے چھوڑ گئے ہیں اور اس امام عالی مقام کی طرح ہمیں بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق بخشے اور جنت میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب و اتباع کی معیت نصیب فرمائے۔ آمین وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین۔

سِندھی اِسلامی لٹریچر

ہم نے سندھی زبان میں اسلامی لٹریچر کی طباعت کا کام شروع کر دیا ہے۔ درج ذیل کتب

جو

دعوتی اور تبلیغی کاموں کے لیے بُنیادی اہمیت رکھتی ہیں طبع ہو چکی ہیں

	روپے		روپے
رسالہ دینیات	۵۰/ــ	عبادت	۱/۵۰
حقیقت صوم وصلوٰۃ	۳/- "	دین اور شریعت	۲/- "
حقیقت جہاد	۲/۷۵ "	جماعتِ اسلامی۔ تعارف اور خدمات	۲/- "
جہاد فی سبیل اللہ	۱/۵۰ "	مذہب کا انقلابی تصوّر	۱/۵۰ "
دین فطرت	۱/۵۰ "	سلامتی کا راستہ	زیرِ طبع
حقیقتِ نبوت	۲/- "	شہادت حق	"
ایمان مفصّل	۲/۵۰ "	داعیٔ اسلام کی حیاتِ طیبہ	"

محمد شوکت۔ برائے فرقان پبلیکیشنز۔ ۲۶۶/ سی/ ۷ لطیف آباد حیدر آباد